ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.2 2022

# منیر نیازی کی شاعری میں فلسفہ وجودیت

## EXISTENTIALISM IN THE POETRY OF MUNEER NIAZI

۱۔ راشد خان

۲۔ ڈاکٹر نازیہ پروین

۳۔ شگفتہ حلیم

***ABSTRACT***

*The ideas and attitudes that emerged in the Western literary movements of the twentieth century, and which influenced many famous poets and writers. Existentialism is also an important attitude in these movements. Existentialism, like other ideologies and attitudes, is a product of the West. After gaining strength in the West, it flourished in Urdu literature. Writers and poets of every age, from Socrates to the present, have somehow been influenced by this theory. In the West, Kirkigard is the founder of this ideology. It was strengthened by Nietzsche, Hegel and Heidegger, and elevated by Sartre.Faiz Ahmed Faiz, Non Meem Rashid, Meera Ji, Majeed Amjad and Munir Niazi are important poets who accept the effects of existence in Urdu. Munir Niazi's poetry contains elements such as sadness, despair, Soliloquy, fear, loneliness and death. This background illustrates the existence of Munir Niazi. Munir Niazi has his own unique identity in Urdu literature as an existential poet. His deeds will be remembered in Urdu for a long time*

**کلیدی الفاظ:** منیر نیازی، وجودیت، فرانسیسی، جرمنی، ژال پال سارتر، خود کلامی

بیسویں صدی کی مغربی ادبی تحریکوں میں جن نظریوں اور رویوں نے جنم لیا اور کئی نامور شعرا اور ادبا کو اس نظریے نے متاثر کیا۔ ان میں "وجودیت" بھی ایک اہم رویہ ہے جو کہ باقاعدہ ایک فلسفے کی شکل "فلسفہ وجودیت" میں ہمیں ملتا ہے۔ "وجودیت" کا نام لیتے ہی کئی سوالات ذہن میں کھڑے ہو جاتے ہیں مثال کے طور پر وجودیت یا وجود کیا ہے؟ ہمارے وجود کا مقصد اور مطلب کیا ہے؟ جب موت ہی انسان کا مقدر ہے تو اسے پیدا کرنے کا فائدہ کیا تھا، انہیں پیدا کرتے وقت ان سے مشورہ کیا گیا تھا کہ نہیں۔ اس طرح کے سوالات وجودیت کے ساتھ چپک گئے ہیں۔ ان سوالات پر بات کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ وجودیت کی تاریخ پر مختصر نظر ثانی کی جائے۔

دیگر نظریوں اور رویوں کی طرح وجودیت بھی مغرب کی پیداوار ہے اور مغرب میں تناور درخت بننے کے بعد اردو ادب میں داخل ہوئے ہے "وجودیت" کی اصطلاح یورپ سے ہمارے ہاں پہنچی ہے مغرب میں سقراط سے لیکر تا حال ہر دور کے شعرأ و ادبا میں وجودی عناصر ملتے ہیں لیکن اس فلسفے کی شناخت کا سہرا "کرکیگارڈ" کے نام جاتا ہے۔ اس کے بعد نطشے اور ہیگل نے اس کو تقویت دی جبکہ ژال پال سارتر نے اس نظریے کو جس انداز سے پیش کیا وہ انفرادیت کا حامل ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے فلسفے کو شہرت ملی۔ اور یوں "فلسفہ وجودیت" کے نام سے جانا گیا۔

فرانسیسی زبان میں اس کے لیے Existence، جرمنی میں Existenz، انگریزی میں Existentialist اور اردو میں وجودیت کی اصطلاح خاص و عام ہے اس کو موجودیت بھی کہا جاتا ہے دیگر نظریوں اور رویوں کی طرح آج تک وجودیت کی جامع اور حتمی تعریف متعین نہیں ہو سکی تاہم بعض مفکرین کی رائے یہاں درج کی جاتی ہیں اس ضمن میں قاضی جاوید ایک جگہ لکھتے ہیں

"تمام وجودی تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ انسان کی اٹل آزادی کے علمبردار ہیں۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک انسان کا وجود جوہر پر مقدم ہے
۔ہائیڈیگر کے ہاں وجود کی یہ اولیت محض زمانی اولیت ہے۔

---

1. پی ایچ ڈی اردو ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، سرحد یونیورسٹی پشاور
2. پی ایچ ڈی، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.2 2022

3. پی ایچ ڈی اردو ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی پشاور

سارتر نے اس میں منطقی اولیت کا اضافہ کر دیا۔ لیکن یہ اولیت یا آزادی اس کے ہاں تنہائی اور گوشہ نشینی ہے۔ دوسروں کی نظریں اسے کھائے جاتی ہیں اس کے برعکس مارشل کے ہاں یہ دوسروں کے میل جول کی کھلی دعوت ہے۔ جیسپرز کے نزدیک مطلق آزادی ممکن نہیں۔ ہر فیصلہ انسان کے اپنے حالات کی غمازی کرتا ہے اور اس کی معنویت ان حالات ہی کی رہین منت ہوتی ہے"۔(۱)

جبکہ ایک جگہ ژال پال سارتر وجودیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"وجودیت وہ طرز فکر ہے جس میں وجود جوہر پر مقدم سمجھا جاتا ہے"۔(۲)

درجہ آرا اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن وقت اور خالات نے اسے پابند کر دیا ہے دوسری بات جو سارتر کہتا ہے وہ یہ کہ انسان پہلے پیدا ہوا ہے اور دنیا میں آنے کے بعد اس نے اپنی راہ خود تجویز کی ہے وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب کوئی کاریگر کوئی چیز بناتا ہے تو اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی خاکہ ضرور ہوتا ہے لیکن اللہ تعالی نے جب انسان کو تخلیق کرنا چاہا تو اللہ کے ذہن میں کوئی خاکہ موجود نہیں تھا(۳) بلکہ اسے بنانے کے بعد زمین پر پھینک دیا ہے اب انسان ہی پر منحصر ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی زندگی بنا سکتا ہے۔ دراصل سارتر Atheistic existentialism تھا اللہ تعالی کی ذات سے منکر تھا تب ہی تو کہا ہے کہ انسان کیچڑ میں پیدا ہوا ہے اور اس بے خدا دنیا میں انسان اکیلا ہے۔ وہ انسان کی پیدائش کو فضول سمجھتا ہے۔

وجودیت کو بیسویں صدی میں تقویت ملی تو انگریزی مصنفین کے علاوہ اردو داں طبقہ بھی اس کی طرف راغب ہوا اور اس کے اثرات قبول کیے۔ جس کی چھاپ ہر دور کے شعرا اور ادبا کے کلاموں میں ملتا ہیں انہی میں ایک نام منیر نیازی کا بھی ہیں۔ جن کے ہاں فلسفۂ وجودیت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔

منیر نیازی کی شاعری کا عرصہ نصف صدی پر محیط رہا۔ انہوں نے اردو اور پنجابی زبان میں شاعری کی اور ان دونوں زبانوں کے نامور شعرا میں شمار ہوتے ہے۔ وہ ایک کے سال تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوا ان کی پرورش ان کی والدہ نے کی۔ ان کی والدہ بھی پڑھنے سے شغف رکھتی تھی جس کا اثر منیر نیازی پر پڑا۔

منیر نیازی شراب نوشی کے عادی تھے اور زیادہ شراب پینے کی وجہ سے سانس کی بیماری مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے ۲۶ دسمبر ۲۰۰۶ء میں ان کی زندگی ہار بیٹھے۔ انہوں نے جو کچھ بھی تخلیق کیا وہ ان کے نام کو صدیوں تک زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

منیر نیازی کی شاعری میں دیگر فکری خوبیوں کے مقابلے میں وجودیت کا غلبہ زیادہ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، دوسری جنگ عظیم کے ہولناک لمحات، شراتوں کی وجہ سے گھر سے نکالنے کا دکھ اور تحریک آزادی جیسے واقعات تھے ان واقعات کی وجہ سے ان کے اندر خوف، ڈر، تنہائی، یادِ رفتگاں اور کربِ ذات جیسی کیفیات پیدا ہو گئی جس نے منیر نیازی کو بہت کچھ کہنے پر مجبور کیا چنانچہ اپنی وجود کے متعلق کبھی کبھی وہ سوچتا ہیں کہ میں ہوں بھی یا نہیں ہوں۔ یہ سوال انہیں وجودی فلسفے کے قریب کر دیتا ہے اور وہ اپنے کلام میں وجود کی موجودگی اور نہ ہونے کے متعلق یوں پکار اٹھتے ہیں کہ۔

میں ہوں بھی اور نہیں بھی یہ عجب بات ہے

یہ کیسا جبر ہے میں کس کے اختیار میں ہوں(۴)

منیر نیازی کی شاعری میں وجودی عناصر کو تشکیل دینے والا پہلا عنصر تنہائی اور خوف ہے جو ان کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے ان کا خوف اور ڈر اس کی تنہا رہ جانے کی وجہ بنی ہے وہ سب میں رہتے ہوئے خود کو تنہا سمجھتے ہے اس لیے وہ اکیلے پن کا شکار دکھائی دیتے ہے۔ ان کے کلام میں ویران جگہوں، ٹھکانوں، طوفانوں اور بادوباراں کا ذکر اس کی تنہائی کی تصویر کشی کرتا ہیں۔ ان کی تنہائی کے متعلق اشفاق احمد لکھتے ہیں۔

"وہ اپنے گھرانے کا ایک بگڑا ہوا بچہ تھا۔ جس کی شکایتیں لے لے کر اب لوگ دور سے آنے لگے تھے اور گھر کے کچھ افراد یہ بھی ------سوچنے لگے تھے کہ اگر منیر نہ رہے تو کتنی مصیبتوں سے ایک ہی بار نجات مل جاتی----گھر کے لوگوں نے خاموشی کا حربہ استعمال کر کے اس سے قطع تعلق کر لیا لوگ بہت تھے اور وہ اکیلا"(۵)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.2 2022

منیر کی شاعری میں تنہائی کا ذکر بتدریج اتم نظر آتا ہے ان کو تن تنہا کرنے میں دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والو کا بھی ہاتھ تھا ایک مثال دیکھیں۔

پل پل بجلی چمک رہی ہے اور میلوں تنہائی ہے

کتنے جتن کیے ملنے کو پھر بھی کتنی دوری ہے

چلتے چلتے ہار گیا میں پھر بھی راہ ادھوری ہے

گھائل ہے آواز ہوا کی اور دل کی مجبوری ہے(٦)

منیر نیازی کی تنہائی ان کی پہلی بیوی کی اچانک موت، ملازمت سے فراری، بچپن میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا اور گھر والوں کی عدم دلچسپی کی وجہ بنی۔ اسی تنہائی نے انہیں حوف میں مبتلا کر دیا یہی حوف ان کے وجودی عناصر کا دوسرا بڑا حوالہ ہے۔ عدم تحفظ، تنہائی اور معاشرتی ناانصافیوں کو شدت سے محسوس کرنا ان کے حوف اور ڈر کا باعث بنا ان کی شاعری سے چند ایک مثالیں بطور نمونہ پیش کی جا رہی ہیں ۔

ہجر توں کا خوف تھا پر کشش کہنہ مقام

کیا تھا جس کو ہم نے خود دیوار جادہ کر لیا (٧)

دیکھے ہیں وہ نگر کہ ابھی ہوں خوف میں

وہ صورتیں ملی ہیں کہ ڈر جائے آدمی(٨)

١٩٤٧ء میں انہوں نے ہجرت کر کے اجنبی شہروں میں گھومتے ہوئے خود کو تقسیم کیا۔ اور وہ اپنی ذات میں گم ہو گئے کیونکہ جب تنہائی اپنی حدیں پار کرے تو انسان اپنے ذاتی دکھ درد اور کرب میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ تنہائی اور خوف وڈر کے علاوہ ان کے وجودی تشکیل کا تیسرا بڑا حوالہ کرب ذات بھی ہے۔ وہ سب کچھ ہونے کے باوجود بھی اکیلا تھے۔ وہ جب اختیارات کا غلط استعمال دیکھتے اور گزرے ہوؤں کی یاد آتی تو وہ بہت رنجیدہ ہو جاتے۔ آزاد ریاست میں قید کی زندگی اور جابجا بکرے ظلم وستم، ہولناکی اور پریشانیاں دیکھتے تو بھڑک اٹھتے۔ انہیں یہ کرب ذات ڈسنے لگتا۔ اپنے دکھوں، دردوں اور کرب ذات کا اظہار یوں کرتے۔

میری طرح کوئی اپنی لہو سے ہولی کھیل کے دیکھے

کالے کٹھن پہاڑ دکھوں کے سر پہ جھیل کے دیکھے(٩)

میرے پاس اگر کبھی میری کہانی بھی سنو

سسکیاں لیتی ہوائیں کہہ رہی ہیں "چپ" رہو(١٠)

جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیر

غم سے پتھر ہو گیا مگر کبھی رویا نہیں(١١)

درجہ بالا اشعار کی طرح متعدد اشعار منیر نیازی کے کلام میں ملتے ہے جس سے ان کی کرب ذات کی خوشبوں ٹپکتی ہے۔ وہ اپنے وجود میں گم رہتے اور تنہائی کی اذیتوں کو جھیلتے جھیلتے "خود کلامی" بھی کرتے ہیں جو کہ آپ کے وجودی عناصر کا ایک اور بڑا حوالہ ہے۔ عام طور پر جب کوئی شخص سب کچھ کھو جائے اور اس کے پاس باقی کچھ نہ بچے، اس کے قرابت دار دوست واحباب، رشتہ دار اور گھر والے سب اسے چھوڑ دے تو وہ لازماً "خود کلامی" کا شکار ہو جاتا ہے ایسا ہی منیر نیازی کے ساتھ بھی ہوا شدید تنہائی کی وجہ سے وہ سوچ وبچار میں مگن رہنے لگے۔ اس کیفیت کا اندازہ ان کے حسب ذیل غزل سے کیا جا سکتا ہیں۔

مر بھی جاوں تو مت رونا

اپنا ساتھ نہ چھوٹے گا

تیری میری چاہ کا بندھن

موت سے بھی نہیں ٹوٹے گا

میں بادل کا بھیس بدل کر

تجھ سے ملنے آوں گا

تیرے گھر کی چھت پر

غم کے پھول اگاوں گا

جب تو اکیلی بیٹھی ہو گی

تجھ کو خوب رولاو گا(۱۲)

منیر نیازی جب کوئی بات بیان کرتے ہے تو لہجے کی نفاست، لفظوں کی بندش اور طرز نگارش سے خوب کام لیتے ہے یوں لگتا ہے جیسے کوئی شخص سامنے بیٹھ کر کوئی کہانی سناتا ہو۔ جو منیر کے کلام کی ایک اہم خوبی تصور کی جاسکتی ہیں۔

منیر نیازی کی شاعری میں وجودی پیکر کا پانچواں بڑا حوالہ مایوسی ہے وہ اللہ تعالی سے اپنی زندگی کا راز پوچھتے ہے کہ میری زندگی کا مطلب و مقصد کیا ہے مجھے کیوں پیدا کیا؟ ان سوالات کا جواب اجنبیت کی شکل میں سامنے آتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

میری چشم مست کا دھوکا ہے زندگی

اے رب ذوالجلال بتا کیا ہے زندگی

بے سود انتظار میں مرنا ہے زندگی

اک شہر اجنبی کا تماشہ ہے زندگی(۱۳)

منیر نیازی کے نزدیک زندگی ایک بے معنی چیز اور دھوکہ ہے انسان بہتر سے بہترین کی تلاش میں بلآخر مر ہی جاتا ہیں۔

منیر کی شاعری کا ایک اور جودی حوالہ یاد رفتگاں ہے۔ یادیں نہ صرف اس کی انفرادی ہے بلکہ اجتماعیت کا روپ بھی دار لیتی ہیں۔ جو لوگ ان سے بچھڑے ہوئے ہے ان کی یاد کو وہ شدت سے محسوس کرتے ہوئے ایک جگہ وہ یوں گویا ہوتے ہیں۔

اجنبی سے منزلیں اور رفتگاں کی یاد

تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستوں(۱۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.2 2022

درجہ بالا اشعار سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ منیر نیازی جہاں خالق کائنات سے زندگی اور وجود کے متعلق اپنے وجود کی بے معنویت اور اصلیت پر بحث وتکرار میں ہے وہاں بچھڑے لوگوں کی یادوں کا عکس بھی خوب بیان کر رہاہے جو کہ ان کے ذاتی تجربات ومشاہدات سے جڑا ہوا ہے۔ تنہائی، خوف، ڈر، وجودیت کی اصلیت، خود کلامی، کرب ذات، بے چینی اور پشیمانی اصل میں اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ منیر نیازی وجودیت پسند تخلیق کار تھے ان کے ہاں فلسفہ وجودیت کے تمام عناصر کا بر ملا اظہار ملتا ہے جسے انھوں نے فنی مہارتوں سے عمدہ جامہ پہنایا ہے۔

الغرض منیر نیازی کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری میں فلسفہ وجودیت کے تمام عناصر ملتے ہیں جو نہ صرف فلسفہ وجودیت کو ارتقاء دینے میں معاون ثابت ہوگی بلکہ منیر نیازی کو دجودی شعراء کی صف میں کھڑے کرنے کے لیے بھی کافی ہیں۔ مشرقی وجودی شعراء میں مجید امجد، ن م راشد، میراجی اور فیض کے علاوہ منیر نیازی نے بھی اس فلسفے میں اپنالوہا منوایا ہے جو قارئین ادب ایک مدت تک یاد رکھیں گے۔

**حوالہ جات**

۱۔ قاضی جاوید، وجودیت، فکشن ہاوس، لاہور ۲۰۱۸ء، ص ۱۸

۲۔ ژاں پال سارتر، ادب، فلسفہ اور وجودیت مرتبہ خالد محمود، نگارشات پبلیشرز لاہور ۲۰۱۷ء، ص ۳۲۳

۳۔ ایضا، ص ۴۹۸

۴۔ مینر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر، لاہور ۱۹۸۳، ص ۲۷۵

۵۔ منیر نیازی، کلیات منیر، ماروپبلیشرز، لاہور ۲۹۸۶، ص ۲۳

۶۔ ایضا، ص ۱۹۵

۷۔ ایضا، ص ۳۰۴

۸۔ منیر نیازی، چھ رنگ دروازے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۸، ص ۸۱

۹۔ منیر نیازی، کلیات منیر، ماروپبلیشرز، لاہور ۲۹۸۶، ص ۸۱

۱۰۔ ایضا، ص ۲۰۵

۱۱۔ مینر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر، لاہور ۱۹۸۳، ص ۲۸۷

۱۲۔ ایضا، ص ۳۰۸

۱۳۔ ایضا، ص ۳۰۹

۱۴۔ منیر نیازی، جنگل میں دھنک، گورا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۷ ص ۹۹